4

خلافت ایک عظیم الشان نعمت ہے

جو اس زمانہ میں مسلمانوں کو احمدیت کے ذریعہ دی گئی

ایک دوسرے سے ملنا اور مرکزی مقامات میں جمع ہونا بہت بڑے فوائد رکھتا ہے

(فرمودہ 2 مارچ 1951ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''مجھے اس دفعہ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ سندھ کی جماعتوں میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ وہ میرے اس دورہ کے موقع پر یہاں آئیں اور جمعہ کی نماز اس جگہ ادا کریں۔ چنانچہ دونوں جمعوں میں مختلف اطراف سے جماعت کے احباب جمعہ کی نماز کے لیے یہاں آئے ہیں جو ایک خوشکن امر ہے۔ زندہ قوموں کے اندر کچھ زندگی کی علامتیں ہوتی ہیں اور وہ علامتیں ہی یہ بتاتی ہیں کہ ان کے اندر زندگی کی روح پائی جاتی ہے۔ وہ علامتیں نہ ہوں تو ان کا زندہ ہونا ایک مشتبہ امر ہوتا ہے۔ کیونکہ قومی زندگی انسانی زندگی کی طرح نہیں کہ ہم کسی کو سانس لیتا دیکھیں تو سمجھیں کہ وہ زندہ ہے، چلتے پھرتے دیکھیں تو سمجھیں کہ وہ زندہ ہے۔ قومی زندگی کی علامتیں فردی زندگی سے مختلف ہوتی ہیں۔ قومی زندگی کی علامتوں میں ترقی کی نیت اور امنگ اور امیدیں اور اصلاح کی طرف توجہ اور جماعتی روح اور نظام کی

روح وغیرہ شامل ہیں اور یہی چیزیں قومی زندگی کی علامت ہوتی ہیں۔ جس طرح فردی زندگی کی علامتوں میں دیکھنا، سننا، بولنا، کھانا، سانس لینا اور فُضلے کا خارج کرنا ہے اور ان علامتوں کو دیکھ کر ہم سمجھ لیتے ہیں کہ ایک چیز زندہ ہے۔ اسی طرح جب ہم کسی جماعت کے اندر یہ دیکھتے ہیں کہ اُس میں ترقی کا احساس پایا جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت کے قیام کے لیے اُس میں قربانی کا احساس پایا جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی تنظیم کو مضبوط کرنے اور اسے زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے کا احساس اس میں پایا جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے ایک حصہ پر جب حملہ ہوتا ہے تو باقی سارا حصہ اُس کی اذیت کو محسوس کرتا ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ سب کے سب افراد ایک مرکز کی طرف مائل ہیں جو اسلام میں خلیفہ ہوتا ہے۔ جس طرح جسم کے حصے دل کی طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں تو اُن علامتوں کو دیکھ کر ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اس جماعت میں زندگی کا مادہ پایا جاتا ہے بلکہ اصل زندگی تو الگ رہی جو قومیں صداقت سے دور ہیں اور جن میں صرف ایک مصنوعی زندگی پائی جاتی ہے وہ بھی بعض دفعہ بڑی بڑی قربانی کرتی نظر آتی ہیں۔

پچھلے دو سال میں دو دفعہ سر آغا خان کراچی آئے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ گلگت سے جو ہزاروں میل پر ہے آغا خانی مذہب کے لوگ چل کر کراچی پہنچے اور آغا خان سے ملے۔ اُن میں ایسے طبقہ کے لوگ بھی تھے جو دنیوی لحاظ سے بہت بڑے سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ دو تو نواب ہی تھے جو گلگت سے کراچی آئے۔ اِس دفعہ بھی اُن کے آنے پر میں نے دیکھا ہے کہ اخباروں میں لکھا تھا کہ سینکڑوں میل سے لوگ ان سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔ اب آغا خانیوں میں جان تو نہیں۔ ایک انسان کو خدا ماننے والوں یا دنیا میں اسے خدائی کا قائم مقام ماننے والوں میں حقیقی زندگی کہاں ہوسکتی ہے۔ مگر جو سیاسی زندگی ہے وہ ان میں پائی جاتی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ہمارے جتھے کی تقویت کا ذریعہ یہی ہے کہ ہم ایک شخص کے پیچھے چلیں۔ اور وہ بعض دفعہ ایسا مظاہرہ بھی کرتے ہیں جس سے وہ دنیا پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم ایک ہاتھ پر جمع ہیں گو وہ ہاتھ تسلّی ہی کیوں نہ ہو اور گو وہ ہاتھ ایسے غلط عقیدہ کے ساتھ وابستہ ہی کیوں نہ ہو جسے انسان کی فطرت کبھی مان نہیں سکتی۔ تو زندگی کے آثار میں سے جماعتی احساس بھی ہوتا ہے۔ اور جماعتی احساس کا ثبوت جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے ہمیشہ ایک مرکز کے ساتھ تعلق رکھنے کے ذریعہ ملتا ہے۔ جب تک مرکز کے ذریعہ وحدت قائم رہتی ہے ترقی ہوتی

چلی جاتی ہے اور جب مرکز سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے تو قومیں گرنے لگ جاتی ہیں۔ جیسے پہاڑوں پر چڑھائی مشکل ہوتی ہے لیکن جب لوگ کسی پہاڑ پر چڑھنا چاہیں تو اپنی مدد کے لیے کھڈسٹک پکڑ لیتے ہیں۔ پھر اَور مشکل پیش آئے تو درختوں کی شاخیں پکڑ لیتے ہیں۔ اَور زیادہ خطرناک راستے آ جائیں تو وہاں واقف کار لوگ میخیں گاڑ کر اُن کے ساتھ رسّے باندھ دیتے ہیں تا کہ اُن کا سہارا لے کر لوگ اوپر چڑھ سکیں یا جہاں ایسی سیڑھیاں آ جائیں جن سے گرنے کا خطرہ ہو وہاں میخوں کے ساتھ لوگوں نے رسّے باندھے ہوئے ہوتے ہیں جن کے سہارے لوگ اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ اِسی طرح مرکز کمزوروں اور گرنے والوں کے لیے ایک سہارا ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے اندر کمزوری محسوس کرتے ہیں مرکز کے رسّوں کو پکڑ کر مضبوطی حاصل کر لیتے ہیں۔ اِسی لیے قرآن کریم نے خلافت کو رحمت قرار دیا ہے اور مومنوں کے ساتھ اُس نے خلافت کا وعدہ کیا ہے[1] مگر ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ انعام ہے۔ اور انعام کے وعدے اور حکم میں فرق ہوتا ہے۔ حکم بہرحال چلتا چلا جاتا ہے اور انعام صرف اُس وقت تک رہتا ہے جب تک انسان اُس کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ جب مستحق نہیں رہتا تو انعام اُس سے واپس لے لیا جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف چار خلافتیں ہوئیں مگر عیسائیوں کی خلافت آج تک قائم ہے۔ اسلامی خلافت کا زمانہ صرف تیس سال تک رہا اور عیسائیوں کی خلافت پر انیس سو سال گزر چکے ہیں اور وہ ابھی تک قائم ہے۔ بیشک جہاں تک روحانیت کا سوال ہے ان کی خلافت کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور انہوں نے آپ کو نہیں مانا تو وہ ایمان سے خارج ہو گئے اور کافروں میں شامل ہو گئے۔ اسی طرح جہاں تک نیکی کا سوال ہے وہ بھی ان میں نہیں پائی جاتی۔ اگر ان میں نیکی ہوتی تو لُوٹ کھسوٹ اور کینہ اور کپٹ اور ناجائز تصرّف اور دباؤ وغیرہ کی عادتیں ان میں کیوں پائی جاتیں۔ لیکن جہاں تک عیسائیت کو قائم رکھنے کا سوال ہے یہ خلافت اس کو قائم رکھنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئی ہے اور اِسی وجہ سے آج بھی عیسائی کروڑوں کروڑ روپیہ عیسائیت کی اشاعت کے لیے خرچ کر رہے ہیں۔ بظاہر ان کا مرکز اپنی طاقت کو کھو چکا ہے۔ چنانچہ پہلے بادشاہت بھی پوپ کے ساتھ ہوا کرتی تھی مگر آہستہ آہستہ بادشاہتیں الگ ہو گئیں اور اب محض چند میل کا علاقہ ادب کے طور پر پوپ کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے تا کہ اس علاقہ میں وہ اپنے آپ کو حاکم سمجھ لے۔ پانچ دس میل لمبا

اور پانچ سات میل چوڑا علاقہ غالباً ہے جس میں پوپ کی حکومت ہے۔ بلکہ اسے حکومت بھی نہیں کہنا چاہیے دفاتر کا نظام اُس جگہ قائم ہوتا ہے اور جہاں سارے اپنے ہی کارکن ہوں وہاں حکومت کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ بہرحال صرف چند میل کا علاقہ ہے جو عیسائیوں نے محض پوپ کے ادب کے لیے آجکل چھوڑ رکھا ہے مگر اُس کی طاقت کا یہ حال ہے کہ اب بھی عیسائی دنیا پوپ کی ناراضگی کو برداشت نہیں کر سکتی۔

دنیا میں کمیونزم ترقی کر رہا ہے، عیسائی دنیا گھبرا رہی ہے اور بڑے بڑے یورپین مدبّر کمیونزم کی ترقی سے کانپ رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کا مقابلہ کریں۔ اور وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ مذاہب کا اتحاد ہی وہ اکیلی چیز ہے جس سے کمیونزم کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کی سیاستیں بالکل کھوکھلی ہو چکی ہیں، ان کی حکومتیں بالکل بیکار ہو چکی ہیں۔ اس لیے کہ حکومتوں کا زور تلواروں اور بندوقوں پر ہوتا ہے اور کمیونزم لوگوں کے دلوں میں گھس رہی ہے۔ اور چاہے کتنی بڑی توپیں ہوں جب کوئی بات دل پر اثر کر جائے تو توپیں اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ امریکہ کے پاس اِس وقت کتنی بڑی بڑی توپیں ہیں لیکن فرض کرو امریکہ کا پریذیڈنٹ کمیونزم کا لٹریچر پڑھتا ہے اور وہ کمیونزم کا شکار ہو جاتا ہے تو توپیں کیا کر سکتی ہیں۔ پس کمیونزم دلوں پر حملہ کر رہی ہے اور حکومتیں دلوں پر حملہ نہیں کر سکتیں۔ صرف مذہب ہی ہے جو انسان کے دل پر اثر کرتا ہے اور اس وجہ سے مذہب ہی کمیونزم کا صحیح طور پر مقابلہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اب دنیا میں عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ کمیونزم کا اگر مقابلہ کیا جا سکتا ہے تو مذہب ہی کے ذریعہ سے۔ مگر عیسائیت اب اتنی بدنام ہو چکی ہے کہ اگر وہ ایشیا کی خیر خواہی کے لیے بھی کوئی بات کہے تو لوگ اسے کہتے ہیں اچھا! اب ہماری خیر خواہی کا جبہ پہن کر تم ہمیں دھوکا دینے لگے ہو؟ ہم تمہارے اس فریب میں آنے کے لیے تیار نہیں۔ چونکہ پادری کا جُبہ عیسائی سیاست کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہا ہے اور جہاں انگریز کی توپ گئی وہاں پادری کا جُبہ بھی جا پہنچا اس لیے اب خواہ وہ کسی اَور نیت سے اُن کے سامنے آئیں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک دھوکا اور فریب کا جُبہ ہے اور اپنی سیاست قائم کرنے کے لیے ہماری خیر خواہی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اور پھر جن ملکوں کے متعلق یہ خطرہ ہے کہ وہ کہیں کمیونزم کے اثر کو قبول نہ کر لیں اُن میں عیسائی کم ہیں اور دوسرے مذاہب کے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ ان ممالک میں تو یوں بھی عیسائی پادریوں کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر ہندوؤں میں کھڑے ہو کر کوئی پادری

یہ کہے کہ انجیل میں یوں لکھا ہے یا تورات میں یوں آتا ہے تو لوگوں پر اس کا کیا اثر ہوگا؟ وہ یہی کہیں گے کہ ہم تو انجیل اور تورات کو مانتے ہی نہیں ہمارے سامنے ان باتوں کے بیان کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ ہندوؤں میں وہی شخص کامیاب ہوسکتا ہے جو ہندو مذہب کے لٹریچر اور ویدوں کے حوالہ جات کو پیش کر کے بات کرے۔ اور مسلمانوں میں وہی شخص مقبول ہوسکتا ہے جو قرآن کریم اور حدیث سے مسائل بیان کرے۔ اور بدھوں میں وہی شخص مقبول ہوسکتا ہے جو بدھ مذہب کے لٹریچر سے اپنی باتیں نکال کر پیش کرے۔

پس کمیونزم کے مقابلہ کی صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ عیسائی بھی، ہندو بھی اور مسلمان بھی اور بدھ بھی اور زرتشتی بھی سب کے سب جمع ہو جائیں اور مل کر کمیونزم کا مقابلہ کریں۔ اگر تمام مذاہب کے ماننے والے جمع ہو جائیں اور اپنے اپنے عقائد کے مطابق اپنے ہم خیال لوگوں کو مخاطب کریں تو یقیناً ہندو بھی سنے گا اور عیسائی بھی سنے گا اور مسلمان بھی سنے گا اور بدھ بھی سُنے گا کیونکہ وہاں سیاست کا کوئی سوال نہیں ہوگا۔ وہاں ہر شخص یہی کہے گا کہ ہمارا مذہب ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے اور کمیونزم اس کے خلاف ہے۔

دوسری طرف اس کے نتیجہ میں کمیونزم کو بھی اپنے حملہ کا رُخ بدلنا پڑے گا۔ اب تو کمیونزم یہ کہتی ہے کہ ہم صرف سیاست کے خلاف ہیں۔ وہ ہے تو مذہب کے خلاف بھی مگر وہ اس کا ذکر نہیں کرتی۔ سمجھتی ہے کہ جب حکومت ہمارے ہاتھ میں آ جائے گی تو مذہب کو خودبخود مٹا ڈالیں گے فی الحال حکومتوں کو توڑنا ہمارا کام ہے۔ مثلاً وہ سمجھتے ہیں کہ سرِ دست ہم نے خدانخواستہ پاکستان کی حکومت کو توڑنا ہے، ہم نے ہندوستان کی حکومت کو توڑنا ہے۔ ہم نے افغانستان کی حکومت کو توڑنا ہے، ہم نے یورپین حکومتوں کو توڑنا ہے، چین کی حکومت کو تو وہ توڑ ہی چکے ہیں۔ جب تمام حکومتیں ٹوٹ گئیں تو مذہب کے لیے کوئی جگہ نہیں رہے گی کیونکہ جہاں اُن کا غلبہ ہوا وہاں نہ کوئی مذہب کا نام لے سکے گا نہ اُس پر عمل کر سکے گا اور نہ اُس کی اشاعت کے لیے کوئی کوشش کر سکے گا۔ یہ سکیم ہے جس کے ماتحت کمیونزم اپنے کام کو وسیع کرتا چلا جا رہا ہے۔ مگر مذہبی لوگ خاموش بیٹھے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اس سے کیا واسطہ، کمیونسٹ تو صرف سیاست کے خلاف ہیں۔ اُن کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص دیکھے کہ ایک دشمن کسی بچے کو مار رہا ہے تو وہ اس خیال سے خاموش بیٹھا رہے کہ یہ کسی اَور کا بچہ ہے

مگر جب وہ مر جائے تب اُسے پتا لگے کہ یہ تو میرا ہی بچہ تھا۔ وہ بھی اِس وقت بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں اِس جھگڑے سے کیا واسطہ، یہ تو ایک سیاسی جھگڑا ہے۔ لیکن اگر سارے کے سارے لوگ کھڑے ہو جائیں اور وہ کہیں کہ یہ دہریت کی تعلیم دینے والے، یہ انبیاء کو جھوٹا اور فریبی کہنے والے، یہ الہام اور وحی کا انکار کرنے والے، یہ الہامی کتابوں کو جھوٹا کہنے والے، یہ خدا اور اُس کے رسولوں کا نام دنیا سے مٹانے والے ہمارے دشمن ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم سب مل کر اس کا مقابلہ کریں تو لازماً کمیونزم کو بھی مذہب کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور جب وہ مذہب کا مقابلہ کرے گی تو وہ لوگ بھی جو اپنے آپ کو پہلے بے تعلق سمجھا کرتے تھے اس لڑائی میں شامل ہو جائیں گے اور یہ لڑائی تلوار سے ہٹ کر دلیل کی طرف آ جائے گی اور اس میں کمیونزم کا شکست کھا جانا ایک قطعی اور یقینی چیز ہے۔ یہ ایک اتنی موٹی بات ہے کہ یورپ کے تعلیم یافتہ تو الگ رہے ہندوستان اور افغانستان کے جاہل اور غیر تعلیم یافتہ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ مقابلہ کا اصل طریق یہی ہے مگر وہ کیوں ایسا نہیں کرتے؟

ابھی پچھلے دنوں اُن کے بعض نمائندے کراچی آئے جن کے سامنے ہمارے بعض دوستوں نے یہی بات پیش کی اور اُن سے کہا کہ کیا آپ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ آپ لوگ سیاسی لڑائی کر رہے ہیں حالانکہ سیاسی لڑائی میں آپ کا پہلو کمزور ہے کمیونزم کا اصل حملہ مذہب پر ہے۔ باقی سب درمیانی راستے ہیں جو انہوں نے اپنے لیے بنائے ہوئے ہیں۔ اور مذہب کے خلاف اُن کا حملہ ویسا ہی عیسائیت پر ہے جیسے اسلام پر ہے یا جیسے ہندو مذہب پر ہے یا جیسے بدھ ازم پر ہے یا جیسے دنیا کے اَور مذاہب پر ہے۔ اور جب حالت یہ ہے تو آپ تمام مذاہب والوں سے یہ اپیل کیوں نہیں کرتے کہ مسلمان بھی اور ہندو بھی اور بدھ بھی اور عیسائی بھی سب مل کر کمیونزم کا مقابلہ کریں۔ یو۔این۔او کے ان نمائندوں نے جو امریکن تھے اور لاہور آئے ہوئے تھے ہماری جماعت کے دوستوں سے کہا کہ ہم یہ خوب سمجھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ کمیونزم سے مقابلہ کا سہل طریق یہی ہے کہ تمام مذاہب کو متحد کیا جائے مگر مصیبت یہ ہے کہ اِس طرح پوپ ناراض ہو جاتا ہے اور ہم اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

یہ مثال میں نے اس لیے دی ہے کہ باوجود اس کے کہ عیسائیت کی خلافت اب محض ایک ڈھانچہ رہ گئی ہے اور وہ اپنی پہلی طاقت کو بالکل کھو چکی ہے پھر بھی عیسائیوں پر اس کا اتنا اثر ہے

کہ وہ پوپ کی ناراضگی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی ہلاکت دیکھ رہے ہیں، وہ اپنی تباہی دیکھ رہے ہیں، وہ اپنی بربادی دیکھ رہے ہیں مگر یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ پوپ کی رضامندی کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں۔

تو دیکھو ایک جتھے کا نتیجہ کتنا عظیم الشان ہوتا ہے اور اس میں کتنی بڑی طاقت پائی جاتی ہے۔ اسلام کا جتھا تو ایک زندہ جتھا ہے اور اسلام جس نظام کو قائم کرتا ہے اس کی بڑی غرض یہ ہے کہ روحانیت کو قائم کیا جائے، اخلاق کو درست کیا جائے اور ذاتی منافع پر قومی منافع کو ترجیح دی جائے وہ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى[2] کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اس لیے جتھا بنانے کی تعلیم نہیں دیتا کہ ذاتی فوائد حاصل کیے جائیں بلکہ وہ اس لیے جتھا بندی کی تعلیم دیتا ہے تا کہ تمام انسان مل کر نیکی اور تقوی پر قائم رہیں۔ اور یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے اِس زمانہ میں مسلمانوں کو احمدیت کے ذریعہ دی ہے۔ اور اُس نے پھر ایک خلافت کا سلسلہ قائم کیا ہے جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں کا ایک ایسا جتھا بنانا چاہتا ہے جو مل کر کفر کا مقابلہ کریں۔ یہ چیز بظاہر بہت حقیر نظر آتی ہے، بظاہر بہت کمزور نظر آتی ہے اور دشمن یہ سمجھتا ہے کہ ہم جب چاہیں احمدیت کو کچل سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے پردہ پر جو ساٹھ کروڑ کے قریب مسلمان ہیں اُن کو وہ نعمت حاصل نہیں جو ہماری چھوٹی سی جماعت کو حاصل ہے اور وہ ان تمام فوائد سے محروم ہیں جو اس چھوٹی سی جماعت کو خلافت کی وجہ سے حاصل ہو رہے ہیں۔ مثلاً تبلیغ کو ہی لے لو۔ یہی چیز ہے جسے ہم مخالف کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! ہم ساری دنیا میں تبلیغِ اسلام کر رہے ہیں مگر تم نے کبھی غور کیا کہ یہ تبلیغ کس طرح ہو رہی ہے؟ یہ تبلیغ محض خلافت کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ ایک مرکز ہے جس کے ماتحت وہ تمام لوگ جن کے دلوں میں اسلام کا درد ہے اکٹھے ہو گئے ہیں اور اجتماعی طور پر اسلام کے غلبہ اور اس کے احیاء کے لیے کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ بظاہر چند افراد نظر آتے ہیں مگر اجتماعی طور پر ان میں ایسی قوت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ بڑے بڑے اہم کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ جس طرح آسمان سے پانی قطروں کی صورت میں گرتا ہے پھر وہی قطرے دھاریں بن جاتے ہیں اور وہی دھاریں ایک بہنے والے دریا کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اِسی طرح ہمیں زیادہ سے زیادہ طاقت اور شوکت حاصل ہوتی چلی جاتی ہے ورنہ ہمارے احمدی جہاں تک ہمیں معلوم ہے پاکستان اور ہندوستان میں اڑھائی تین لاکھ سے زیادہ نہیں۔ اور مسلمان ساری دنیا میں

ساٹھ کروڑ ہیں۔ ساٹھ کروڑ اور اڑھائی تین لاکھ کی آپس میں کوئی بھی تو نسبت نہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ ہم سے دو ہزار چار سَو گُنے زیادہ ہیں۔ اور پھر یہ زیادتی تو تعدادِ افراد کے لحاظ سے ہے مالی طاقت اور وسعت کو دیکھا جائے تو وہ ہم سے کئی گُنا بڑھ کر ہیں۔ ہم ایک غریب جماعت ہیں اور وہ اپنے ساتھ بادشاہتیں رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے تو درحقیقت وہ ہم سے دس گُنا بڑھ کر ہیں۔ لیکن اگر کم سے کم ان کی طاقت کو ہم دو گُنا بھی فرض کر لیں تو اس کے معنے یہ بنتے ہیں کہ غیر احمدیوں کی طاقت ہم سے پانچ ہزار گُنا زیادہ ہے یعنی ہماری جماعت اگر تبلیغی مشنوں پر پانچ لاکھ روپیہ خرچ کرتی ہے تو مسلمانوں کو اڑھائی ارب روپیہ خرچ کرنا چاہیے۔ گویا مسلمانوں کی ہمارے مقابلہ میں اگر محض دُگنی طاقت ہو جو کسی صورت میں بھی درست نہیں ان کا مال اور ان کی دولت یقیناً بہت زیادہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں بھی بعض ایسے مسلمان تاجر موجود ہیں جو اکیلے اکیلے ہماری جماعت کی تمام جائیداد خرید سکتے ہیں۔ پس دراصل تو ان کی مالی طاقت فرد فرد کی نسبت سے ہم سے کئی گُنا زیادہ ہے۔ لیکن اگر دُگنی بھی فرض کی جائے تب بھی اڑھائی ارب روپیہ سالانہ انہیں تبلیغ کے لیے خرچ کرنا چاہیے لیکن وہ اڑھائی لاکھ بھی خرچ نہیں کرتے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں خلافت کی نعمت عطا کی ہے جس سے وہ لوگ محروم ہیں۔ اِس خلافت نے تھوڑے سے احمدیوں کو بھی جمع کر کے انہیں ایسی طاقت بخش دی ہے جو منفردانہ طور پر کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

یوں تو ہر جماعت میں کمزور بھی ہوتے ہیں اور ایسے طاقتور بھی ہوتے ہیں جو اکیلے تمام بوجھ کو اُٹھا لیں مگر تمام افراد کو ایک رسّی سے باندھ دینا محض مرکز کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مرکز کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ کمزور کو گرنے نہیں دیتا اور طاقتور کو اتنا آگے نہیں نکلنے دیتا کہ دوسرے لوگ اُس کے مقابلہ میں حقیر ہو جائیں۔ اگر مرکز نہیں ہوگا تو کمزور گرے گا۔ اور اگر مرکز نہیں ہوگا تو طاقتور اتنا آگے نکل جائے گا کہ باقی لوگ سمجھیں گے یہ آسمان پر ہے اور ہم زمین پر ہیں، ہمارا اور اس کا آپس میں واسطہ ہی کیا ہے۔ لیکن نظامِ اسلامی میں آ کر وہ ایسے برابر ہو جاتے ہیں کہ بعض مواقع پر امیر اور غریب میں کوئی فرق ہی نہیں رہتا۔ مثلاً ہماری مجلس شوریٰ ہے۔ اِس میں ہماری جماعت کا چوٹی سے چوٹی کا عالم بھی ہوتا ہے، بڑی سے بڑی دنیوی پوزیشن کا آدمی بھی ہوتا ہے اور ایک غریب سے غریب آدمی بھی ہوتا ہے جس کے بدن پر پورے کپڑے بھی نہیں ہوتے۔ اور ہم نے بسا اوقات دیکھا ہے کہ بڑی بڑی

علمیت رکھنے والے اور دنیوی لحاظ سے بڑی حیثیت رکھنے والے میدان ہار جاتے ہیں اور ایک غریب آدمی معقول باتوں کی وجہ سے میدان جیت لیتا ہے۔

غرض جماعت کی باگیں چونکہ ایک مرکز کے ہاتھ میں ہیں اس لیے کمزور کو کھینچ کر آگے کر دیا جاتا ہے اور طاقتور کو کھینچ کر پیچھے کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ چلے اور طاقتور اور کمزور میں غیر معمولی تفاوت پیدا نہ ہو جائے۔ یوں بھی اسلام نے جماعتی حیثیت کے برقرار رکھنے اور مل کر کام کرنے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز باجماعت کا دس گُنے زیادہ ثواب ہوتا ہے۔3 اب سوال یہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے سے کیوں زیادہ ثواب ملتا ہے؟ کیا مسجد کی اینٹوں کی وجہ سے ثواب ملتا ہے؟ مسجد کی اینٹوں کی وجہ سے ثواب نہیں ملتا بلکہ اس لیے ملتا ہے کہ وہاں مومن اکٹھے ہوتے ہیں اور اجتماع قومی طاقت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ گویا مسجد بھی ایک خلیفہ ہے جو مومنوں کو اکٹھا رکھتی ہے۔ پس جو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا وہ درحقیقت ایک چھوٹے خلیفہ کے مظہر کے پاس گیا اور اس کی نماز دس گُنا زیادہ ثواب لے گئی۔ ان مساجد سے زیادہ خانہ کعبہ کی مسجد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس طرح مدینہ منورہ کی مسجد نبوی لوگوں کو اکٹھا کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور چونکہ خانہ کعبہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور مسجد نبوی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نمازیں پڑھیں تمام دنیا کے لوگوں کو جمع کرنے کا ایک ذریعہ ہیں اس لیے ان میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد کی نمازوں سے بھی زیادہ ہے۔ ورنہ خانہ کعبہ کو کوئی سونے کی اینٹیں نہیں لگی ہوئیں اور نہ مدینہ منورہ کی مسجد میں ہیرے اور جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ ان کی اینٹیں ویسی ہی ہیں جیسے تمام مساجد کی ہوتی ہیں۔ پھر کیا چیز ہے جس کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان مساجد میں نماز پڑھنا زیادہ ثواب کا موجب قرار دیا ہے؟ وہ چیز یہی ہے کہ یہ مساجد خدا اور رسول کی محبت کی وجہ سے دنیا کے لوگوں کو اکٹھا کرتی ہیں۔ اور چونکہ یہ باعث ہیں لوگوں کو اکٹھا کرنے کا اور اکٹھا ہونا ایک برکت والی چیز ہے اور اکٹھے مل کر کام کرنے سے بہت بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں اس لیے ان مساجد میں نماز پڑھنا بھی زیادہ ثواب کا موجب قرار دے دیا گیا۔ بہرحال اسلام کا باجماعت نمازوں کے لیے لوگوں کو مسجد میں جانے کی تلقین کرنا یا ایک امام کے پیچھے ان کو کھڑا ہونے اور اس کی اقتدا کرنے کی نصیحت کرنا یا مسجد نبوی اور خانہ کعبہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کو بہت زیادہ

قابلِ ثواب قرار دینا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ مرکز جو قوم کو اکٹھا رکھتے ہیں، جو افراد کو ایک جتھا کی صورت میں بدل دیتے ہیں اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی برکت کو وابستہ کر دیتا ہے۔ اگر وہ لوگوں کو اکٹھا کرنے کا کوئی ذریعہ نہ بنائے تو اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اکٹھے نہ ہوں گے اور جب وہ اکٹھے نہ ہوں گے تو اُن کی طاقت ٹوٹ جائے گی اور وہ زندگی جو جتھا کی وجہ سے کسی قوم کو حاصل ہوسکتی ہے وہ ان کو حاصل نہیں ہوگی۔

پھر اگر مساجد کے پتھر اور چونا اور اینٹوں کو محض اِس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اکٹھا کرنے کا ایک ذریعہ ہیں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دے دی ہے کہ ان میں نماز پڑھنے کو اس نے کئی گُنا زیادہ قابلِ ثواب قرار دیا ہے تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی انسانی مرکز ہوگا تو وہ نہایت ہی برکت کا موجب ہوگا۔ یہ سیدھی بات ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ذریعہ جتنا آدمی اکٹھا ہوا ہے اُتنا آدمی خانہ کعبہ یا مدینہ منورہ کی مسجد کے ذریعہ اکٹھا نہیں ہوا۔ پھر مسجد محض لوگوں کو جمع کرتی ہے اور انسان ان کو جمع کرنے کے بعد ان سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے۔ اگر لوگوں کو صرف جمع کرنے والے مرکز اتنے بابرکت ہوتے ہیں تو تم سمجھ لو کہ وہ مرکز جو لوگوں کو جمع کر کے اُن سے کام بھی لے وہ کتنا زیادہ بابرکت ہوگا۔

پس مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جماعت کے دوست یہاں جمعہ کے لیے کثرت کے ساتھ آنے شروع ہو گئے ہیں۔ پہلے لوگ آیا کرتے تھے مگر ایک دو سال چونکہ میں بیمار رہا اس لیے میں نے یہ اعلان کروا دیا تھا کہ بیماری کی وجہ سے میں دوستوں سے زیادہ ملاقاتیں نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے میں نے دیکھا ہے کہ پچھلے دو سالوں میں لوگ کم آتے رہے ہیں غالباً انہوں نے اس کو ایک مستقل اعلان سمجھ لیا تھا۔ حالانکہ اگر اس کی ضرورت رہتی تو دوبارہ اعلان کیا جا سکتا تھا۔ بہرحال میرا وہ اعلان صرف بیماری کے دنوں کے لیے تھا اس لیے دوستوں کو چاہیے کہ وہ میرے دورہ کے موقع پر یہاں کثرت کے ساتھ آیا کریں۔

یوں بھی ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ آپس میں مل کر مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات کیا کریں اور دوسروں کی ضروریات کا خیال رکھا کریں۔ جب لوگ آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے کے حالات دریافت کرتے ہیں تو انہیں بسا اوقات اپنے کسی کمزور یا حاجت مند بھائی کی مدد کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں اپنے بھائی کی مدد کرنے کی طاقت

ہوتی ہے مگر انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون مستحق ہے اور وہ کس قسم کی مدد کا محتاج ہے اس لیے وہ ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ اگر وہ ایک دوسرے سے ملیں تو انہیں معلوم ہوتا رہے کہ فلاں شخص مشکلات میں ہے، فلاں بیمار ہے، فلاں حاجت مند ہے اور ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اس علم کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کئی لوگوں کے دلوں میں نیکی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ دوسروں کی تکلیف کو دور کرنے کا موجب بن جاتے ہیں۔ دنیا میں تمام نیک کام کوئی ایک شخص سرانجام نہیں دیا کرتا۔ کسی کے دل میں خدا تعالیٰ کوئی بات ڈال دیتا ہے اور کسی کے دل میں کوئی۔ میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ جب چندوں کی تحریک ہوتی ہے تو کسی چندہ میں کوئی آگے نکل جاتا ہے اور کسی میں کوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ کسی کے دل میں حصہ لینے کی تحریک پیدا کر دیتا ہے اور کسی وقت کسی کے دل میں۔ اگر آپس میں لوگ ملتے رہیں اور ایک دوسرے کے حالات سے انہیں واقفیت ہوتی رہے اور مساکین اور یتامٰی اور غرباء کے حالات انہیں معلوم ہوتے رہیں تو اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی توفیق بخش دے گا اور کبھی کسی کو۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ واقعات جمع کیے جائیں کہ سلسلہ پر کون کون سے نازک مواقع آئے اور ان نازک موقعوں پر کس کس شخص کو نمایاں طور پر خدمت سرانجام دینے اور نیکی میں حصہ لینے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو یہ ایک نہایت دلچسپ کتاب بن سکتی ہے اور لوگوں کو معلوم ہو سکتا ہے کہ سینکڑوں ایسے لوگ بعض مواقع پر نمایاں کام کر گئے جبکہ دوسرے موقعوں پر وہ بہت پیچھے رہے تھے۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو ثواب میں شریک کرنا چاہتا ہے اس لیے کبھی کسی کو توفیق مل جاتی ہے اور کبھی کسی کو۔

پس اگر جماعت کے دوست آپس میں ملتے رہیں تو انہیں ثواب کے مواقع بھی مل سکتے ہیں اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور مواسات کا راستہ بھی ان کے لیے کھل سکتا ہے اور پھر تبادلہ خیالات کے نتیجہ میں ان کا علم بھی بڑھ سکتا ہے اور تبلیغ کی مشکلات کا بھی انہیں احساس ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہی بات دیکھ لو یہ سندھ کا صوبہ ہے جس میں اس وقت ہم لوگ موجود ہیں اور آپ لوگ مختلف مقامات سے یہاں آ کر جمع ہوئے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو یہاں صرف ایک فیصدی سندھی نکلیں گے۔ باقی سب لوگ وہ ہیں جو پنجاب سے آ کر آباد ہوئے ہیں۔ اب یہ ہے تو سندھ اور اس لحاظ سے آنے والوں کی

زیادہ تعداد سندھیوں کی ہی ہونی چاہیے مگر جمع ہیں پنجابی۔ یہ بات بتاتی ہے کہ یہاں کی جماعتوں نے کبھی اپنے حالات پر غور نہیں کیا۔ زندہ قومیں وہ ہوتی ہیں جو ہر بات پر غور کیا کرتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ کافر کی علامت بیان فرمائی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے نشانات پر سے گزر جاتا ہے اور ان پر کبھی غور نہیں کرتا۔4 مومن وہ ہوتا ہے جو ہر بات کو دیکھتا اور پھر سوچتا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ مثلاً وہ کسی کو بڑی سی پگڑی باندھے دیکھتا ہے یا کسی خاص طرز پر اسے پگڑی باندھے دیکھتا ہے تو وہ غور کرتا ہے کہ اس نے اتنی بڑی پگڑی کیوں باندھی ہوئی ہے یا فلاں طرز پر اس نے پگڑی کیوں باندھ رکھی ہے اور اس سے وہ کئی قسم کے نتائج اخذ کرتا ہے۔

اگر غور کرنے کی عادت ڈالی جائے تو بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بڑے بڑے اہم نتائج پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کسی ملک میں تم جاؤ اور دیکھو کہ لوگوں نے بڑی بڑی پگڑیاں باندھی ہوئی ہیں اور تم سوچو کہ یہ لوگ اتنی بڑی پگڑیاں کیوں باندھتے ہیں تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہاں روئی زیادہ ہے اور کپڑا زیادہ تیار ہوتا ہے۔ گویا غور کرنے کے نتیجہ میں ایک نکتہ تمہیں حاصل ہو جائے گا۔ اسی طرح تم ایک اَور علاقہ میں جاتے ہو اور دیکھتے ہو کہ لوگوں نے چھوٹی چھوٹی دو دو گز کی پگڑیاں باندھی ہوئی ہیں اور تم سوچو کہ ان کی اتنی چھوٹی پگڑیاں کیوں ہیں تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ خانہ بدوش لوگ ہیں کھیتی باڑی نہیں کرتے، نہ کپڑا بُنتے ہیں۔ اور چونکہ ان کے ملک میں نہ کپاس پیدا ہوتی ہے، نہ انہیں زیادہ کپڑا میسر آتا ہے اس لیے انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ہم دو دو گز کی پگڑیاں باندھیں گے تا کہ کپڑا بھی زیادہ خرچ نہ ہو اور ہمارا کام بھی چل جائے۔

یہ میں نے ایک معمولی سی مثال دی ہے۔ اس پر قیاس کر کے تم سمجھ سکتے ہو کہ سوچنا اور غور کرنا کتنی اہم چیز ہے۔ پشاور کی طرف چلے جاؤ تو وہاں پگڑیوں سے بھی زیادہ کلاہ کا رواج ہے۔ اگر تم اس پر غور کرو کہ وہاں کلاہ کا رواج کیوں زیادہ ہے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اُس علاقہ میں بارشیں زیادہ ہوتی ہیں اور گرد و غبار کم اُڑتا ہے اور سردی سخت پڑتی ہے۔ اگر کلاہ پر پگڑی باندھی ہوئی ہو تو دس دس پندرہ پندرہ دن تک پگڑی چلی جاتی اور اسے بار بار باندھنا نہیں پڑتا اور کلاہ سر کو سردی سے بچاتا ہے۔ لیکن اگر کلاہ نہ ہو اور علاقہ بارش والا ہو تو پگڑی جلد خراب ہو جائے گی اور اسے بار بار باندھنا پڑے گا اور سر کو سردی لگے گی۔

غرض سوچنے اور غور کرنے سے انسان نئی نئی چیزیں نکال لیتا ہے۔ لیکن اگر سوچنے کی عادت

ترک کر دی جائے تو کئی اہم نتائج سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہی بات دیکھ لو کہ علاقہ سندھ کا ہے اور اکٹھے پنجابی ہوئے ہیں اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم نے اس صوبہ میں قطعاً کوئی تبلیغ نہیں کی۔ پنجابی احمدیوں کی زیادتی سے یہ ملک فتح نہیں ہوسکتا۔ یہ ملک اُسی وقت فتح ہوسکتا ہے جب سندھیوں کی اکثریت احمدیت میں شامل ہوگی۔ اگر ہم سندھیوں کو اپنے اندر شامل نہیں کرتے اور پنجابی اس صوبہ میں پندرہ یا بیس فیصدی بھی آ جاتے ہیں تب بھی ہماری فتح نہیں کہلا سکتی۔ ہماری فتح تبھی کہلائے گی جب اسّی فیصدی سندھیوں میں سے ایک غالب اکثریت کو ہم اپنے ساتھ شامل کر لیں گے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو یہ یقینی بات ہے کہ جن لوگوں کا یہ ملک ہے انہیں کی بات یہاں چلے گی۔ اگر کچھ عرصہ کے لیے پنجابیوں کو غلبہ بھی ملے تو وہ عارضی غلبہ ہوگا۔ جیسے انگریز آیا اور اس نے ہندوستان پر حکومت کی مگر اَب وہ کہیں نظر نہیں آتا۔ جس طرح تم پہلے انگریز کو دیکھ کر ڈرا کرتے تھے اُسی طرح اب وہ تمہیں دیکھ کر ڈرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حکومت تمہاری ہے۔ بلکہ ابھی تو کچھ نہ کچھ انگریزوں کا لحاظ کیا جاتا ہے کیونکہ لوگوں کو یہ خیال آ جاتا ہے کہ یہ انگریز ہمارے حاکم رہ چکے ہیں ہمیں ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ جب نئی نسل پیدا ہوگی اور وہ لوگ جو انگریز کو حکمران دیکھ چکے ہیں فوت ہو جائیں گے تو انگریز کی حیثیت ایسی گر جائے گی کہ جس طرح شروع زمانہ میں انگریز ایک ہندوستانی کو ٹھڈّے مارتا تھا اور وہ خاموش ہو جاتا تھا اُسی طرح ایک پاکستانی انگریز کو ٹھڈّے مارے گا اور وہ آگے سے یہی کہے گا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے مجھے معاف کیا جائے کیونکہ حکومت تمہاری ہے اور اس کی حیثیت ایک غیر ملکی کی ہے۔ اِسی طرح تم کتنے بھی بڑھ جاؤ پنجابی بہرحال پنجابی ہیں وہ سندھی نہیں کہلا سکتے۔ اور یہ ملک سندھ کا ہے اس وجہ سے حکومت کا حق بھی سندھ کے لوگوں کو ہی ہے۔ اگر پنجابی یہاں مربعے زیادہ خرید لیں یا تجارتوں پر قبضہ کر لیں یا مال و دولت میں ترقی کر جائیں تب بھی ان کا رتبہ محض عارضی ہوگا اور جب بھی سندھی زور میں آئیں گے انہیں باہر نکال دیں گے۔

پس جب تک تم سندھیوں میں احمدیت کی تبلیغ نہیں کرتے یا جب تک تم ان کے ساتھ اس طرح مِل جُل نہیں جاتے کہ تمہارا تمدن بھی سندھی ہو جائے، تمہارے کپڑے بھی سندھیوں جیسے ہو جائیں، تمہاری زبانیں بھی سندھی ہو جائیں اُس وقت تک تمہاری حیثیت محض ایک غیر ملکی کی رہے گی۔ یہ کتنی واضح چیز ہے جو نظر آ رہی ہے مگر سوال یہ ہے کہ کتنے آدمی ہیں جنہوں نے اس حقیقت پر کبھی غور

کیا ہے؟ اِس وقت بیرونی جماعتوں سے سوڈیڑھ سو آدمی یہاں آیا ہوا ہے اور ہم خوش ہیں کہ جماعت میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں کہ ایک جنگل میں اتنے آدمی اکٹھے ہوگئے ہیں لیکن اگر ہم غور سے کام لیں تو یہ زندگی کے کیا آثار ہیں کہ جس ملک میں ہم بیٹھے ہیں اِس ملک کے باشندے ہمارے اندر موجود نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے ہم انگلستان میں ایک بہت بڑا جلسہ کریں اور اس میں پاکستان کے پاکستانی، افریقہ کے حبشی، انڈونیشیا کے انڈونیشین، سیلون کے سیلونی، برما کے برمی، افغانستان کے افغان اور عرب ممالک کے عرب سب موجود ہوں لیکن انگلستان کا کوئی آدمی نہ ہو اور ہم بڑے خوش ہوں کہ ہمارا جلسہ نہایت کامیاب ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ جلسہ کیا کامیاب رہا جس میں اَور ممالک کے لوگ تو موجود تھے اور انگلستان کا کوئی آدمی موجود نہ تھا؟ اس طرح تو ہم نے اپنے روپیہ کو ضائع ہی کیا کیونکہ جس ملک کے لوگوں پر ہم اپنا اثر پیدا کرنا چاہتے تھے اُس ملک کا کوئی فرد اس میں موجود نہیں تھا۔ اِسی طرح ہم جب سندھ میں آئے ہیں تو سندھ کے لوگوں کی خاطر آئے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم سندھیوں میں اپنی تبلیغ کے حلقہ کو وسیع کریں اور ان کو اپنے اندر زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل کریں۔

غرض اگر غور سے کام لیا جائے اور سوچنے کی عادت ڈالی جائے تو یہ چیز ہمارے سامنے آجاتی ہے اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اس صوبہ میں رہتے ہوئے ہم نے اپنی ذمہ داری کو سمجھا ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ملک کے رہنے والوں کا حق پنجابیوں سے زیادہ ہے اور ہمارے لیے خوشی کا دن دراصل وہ ہوگا جب ہمارے جلسہ میں اگر پانچ سو آدمی ہوں تو ان میں سے چارسو سندھی ہوں اور ایک سو پنجابی ہو۔ اگر ہم ایسا تغیر پیدا کرلیں تب بیشک یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے اپنے فرض کو ادا کردیا۔ اس کے بعد ہم اس خیال سے مطمئن ہوسکتے ہیں کہ خواہ اب ملک میں یہ رَو چل پڑے کہ پنجابیوں کو نکال دیا جائے تب بھی احمدیت اِس ملک سے نہیں نکل سکتی کیونکہ اس ملک کے باشندوں میں ہم احمدیت کا بیج بو چکے ہیں۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے ان باتوں کی طرف تبھی توجہ پیدا ہوسکتی ہے جب جماعت کے دوست اکٹھے ہوں اور وہ تمام حالات پر غور کرنے کی عادت ڈالیں کیونکہ آپس میں بار بار ملنے سے یہ باتیں سوجھتی ہیں۔ اگر ملنے کے مواقع نہ نکالے جائیں اور ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت پیدا نہ کی جائے تو جماعت ترقی نہیں کرسکتی۔ غرض ایک دوسرے سے ملنے اور مرکزی مقامات

میں جمع ہونے کے بہت بڑے فوائد ہوتے ہیں جن کو آسانی کے ساتھ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا"۔

(الفضل 28 مارچ 1951ء)

1: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور:56)

2: المائدة:3

3: بخاری کتاب الاذان باب فضل صلوٰة الجماعة میں 25 اور 27 گُنا ثواب کا ذکر ملتا ہے۔

4: وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (يوسف:106)